



کلاس: 12th

مضمون: اردو

سبق 13: ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی
نہیں ہے

ابن انشا (1927ء تا 1978ء)

❖ اہم معروضی سوالات:

1. مصنف نے کہا کہ انسان کو ٹانگیں دی گئی ہیں لیکن سب سے اہم چیز کیا ہے؟

(ا) طاقت

(ب) دماغ

(ج) ہمت

(د) خوشی

2. آج کا سفرنامہ کس جگہ کے بارے میں ہے؟

(ا) کابل

(ب) پشاور

(ج) کہیں کا بھی نہیں

(د) ایران

3. سفر کے دوران سب سے پہلی تاخیر کہاں ہوئی؟

(ا) پشاور

(ب) کابل

(ج) راولپنڈی

(د) جلال آباد

4. پائلٹ نے مصنف کو کس درہ کے بارے میں بتایا؟

(ا) درہ ہمالیہ

(ب) درہ خیبر

(ج) درہ توران

(د) درہ جلال آباد

5. پائلٹ کے مطابق جلال آباد کے قریب کون سا دریا بہتا ہے؟

(ا) دریائے سندھ

(ب) دریائے کابل

(ج) دریائے گنگا

(د) دریائے ہوانگ ہو

6. کابل کی شدید سردی کے لیے کس نے مشورہ دیا کہ اوور کوٹ پہنیں؟

(ا) حمید اختر

(ب) مولانا حامد علی خان

(ج) ڈاکٹر گلبرگ

(د) آغا جعفری

7. پشاور میں کتنے اوور کوٹ حاصل کیے گئے؟

(ا) ایک

(ب) دو

(ج) تین

(د) چار

8. حبیب اللہ شہاب کا اوور کوٹ کس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا؟

(ا) کابل کی سردی

(ب) قطب شمالی کی مہم

(ج) پشاور کے بازار کے لیے

(د) گرین لینڈ کے لیے

9. مصنف نے پشاور میں کس ہوٹل میں قیام کیا؟

(ا) انٹرنیشنل ہوٹل

(ب) ڈین ہوٹل

(ج) پارلیمنٹ ہوٹل

(د) نور ہوٹل

10. ڈین ہوٹل کے کمرے کے فرش پر چلنے کا تجربہ کیسا تھا؟

(ا) نرم اور آرام دہ

(ب) کیچڑ میں پڑی اینٹوں کی طرح

(ج) گرم اور کشادہ

(د) صاف اور خوشبودار

11. پی آئی اے کا دفتر پشاور میں کہاں واقع تھا؟

(ا) ہوٹل کے اندر

(ب) ہوٹل کے پچھواڑے میں

(ج) سڑک کے کنارے

(د) ہوائی اڈے کے پاس

12. ڈاکٹر گلبرگ کس ملک سے تعلق رکھتے تھے؟

(ا) سویڈن

(ب) ڈنمارک

(ج) نروے

(د) برطانیہ

13. ڈاکٹر گلبرگ کی کتاب کہاں چھپی؟

(ا) صرف ڈنمارک

(ب) برطانیہ اور امریکہ کے علاوہ کئی ممالک

(ج) صرف سویڈن

(د) صرف افغانستان

14. کابل میں پرائیویٹ پبلشرز کی تعداد کتنی تھی؟

(ا) کوئی نہیں

(ب) پانچ

(ج) دس

(د) بیس

15. کابل میں سرکاری مطبعوں کی تعداد کتنی ہے؟

(ا) پانچ

(ب) دس

(ج) پندرہ

(د) بیس

16. افغانستان میں ریلوے کی موجودگی کے بارے میں مصنف نے کیا کہا؟

(ا) موجود ہے مگر کمزور

(ب) بالکل موجود نہیں

(ج) فعال اور جدید

(د) صرف دارالامان میں

17. شاہ امان اللہ خان نے دارالامان میں کیا بنایا تھا؟

(ا) ریلوے اسٹیشن

(ب) جدید شہر

(ج) تازہ بہشتی دارالامان

(د) پل

18. کابل کے دریا کے بارے میں مصنف نے کیا مشاہدہ کیا؟

(ا) بہت وسیع اور صاف

(ب) بیچوں بیچ شہر میں بہتا ہے، پانی کی کمی

(ج) گھاٹوں کے ساتھ مکمل سہولت

(د) نہایت گہرا اور نیلا

19. کابل کے پرانے شہر میں پانی کیسے دستیاب ہوتا تھا؟

(ا) پائپ کے ذریعے

(ب) برفانی ندیوں سے

(ج) سقوں اور مٹی کے ملکے سے

(د) دریائے کابل سے براہ راست

20. پشاور میں ہوٹل کی قیمت کتنی تھی؟

(ا) پانچ ڈالر روزانہ

(ب) تیرہ ڈالر روزانہ

(ج) بیس ڈالر روزانہ

(د) سات ڈالر روزانہ

21. ڈاکٹر گلبرگ نے گرین لینڈ میں کس کے ساتھ قیام کیا؟

(ا) اسکیموؤں

(ب) مقامی افغانیوں

(ج) برطانوی شہریوں

(د) ڈنمارکی فوج کے ساتھ

22. پشاور والوں کی سب سے بڑی خصوصیت کیا تھی؟

(ا) سخت مزاج

(ب) اعلیٰ حوصلہ اور خلوص

(ج) محتاط رویہ

(د) تیز رفتار کاروبار

23. مصنف کے خیال میں کابل کا ہوائی سفر کیسا تھا؟

(ا) آسان اور خوشگوار

(ب) مشکلات اور تعویق سے بھرا

(ج) آرام دہ اور صاف

(د) خطرناک اور ناممکن

24. پشاور میں پی آئی اے کا دفتر تلاش کرنے میں کتنی مدد ملی؟

(ا) کوئی مدد نہیں

(ب) کافی رہنمائی اور مدد

(ج) صرف نقشہ دیا گیا

(د) مقامی لوگ لاتعلق تھے

25. مصنف کے مطابق انسانی عقل کی اہمیت کس کے برابر ہے؟

(ا) دل

(ب) ٹانگوں

(ج) آنکھوں

(د) بازوؤں

26. پشاور میں مصنف نے کیا چیز خریدی؟

(ا) کپڑے، اوور کوٹ اور دستانے

(ب) صرف کھانے پینے کی اشیاء

(ج) مقامی دستکاری

(د) کتابیں

27. پشاور ہوٹل کے قالین کا تجربہ کیسا تھا؟

(ا) جدید اور صاف

(ب) گھسا ہوا اور پرانا

(ج) نرم اور خوشبودار

(د) بہترین معیار کا

28. کابل میں کتابیں کہاں سے ملتی ہیں؟

(ا) بازار اور ریلوے اسٹیشن

(ب) سرکاری مطبع

(ج) پرائیویٹ پبلشر

(د) انٹرنیٹ سے

29. کابل میں ریلوے لائن کے بارے میں شاہ امان اللہ خان نے کیا کیا؟

(ا) نئی ٹرالی لائن بچھائی

(ب) ریلوے قائم کی

(ج) پل بنایا

(د) بندرگاہ قائم کی

30. مصنف نے کہا کہ پبلشروں کا نظام کیوں محدود ہے؟

(ا) عوام کی دلچسپی کم

(ب) حکومت کی اجازت ضروری

(ج) کاغذ مہنگا ہے

(د) زبان کی کمی

31. مصنف کے مطابق کابل کا پانی کس سے فراہم ہوتا ہے؟

(ا) دریائے سندھ

(ب) دریائے کابل اور سقے

(ج) زمینی ذخائر

(د) پہاڑی ندیوں سے

32. ڈاکٹر گلبرگ اور بیوی نے کابل کے سفر میں مصنف کی کیا مدد کی؟

(ا) ہوٹل کی بکنگ

(ب) زبان اور ثقافت میں مدد

(ج) کپڑوں کی خریداری

(د) ہوائی سفر کی رہنمائی

33. مصنف نے کابل کے بارے میں کون سا لطیف جملہ کہا؟

(ا) "یہاں ترقی بہت ہے"

(ب) "یہاں ایک صدی پیچھے پہنچ گئے"

(ج) "یہاں سب کچھ جدید ہے"

(د) "یہاں سب کچھ آسان ہے"

34. پشاور کے ہوٹل میں اوور کوٹ پہن کر مصنف کی شکل کس سے مشابہ تھی؟

(ا) برفانی ریچھ

(ب) انسان

(ج) پہاڑی آدمی

(د) اسکیمو

35. کابل میں گدھوں کے بارے میں مصنف نے کیا مشاہدہ کیا؟

(ا) نہیں ہیں

(ب) بہت زیادہ ہیں

(ج) صرف چند ہیں

(د) صرف شہر میں ہیں

36. کابل کے بازار میں سنگترے کس قیمت پر خریدے گئے؟

(ا) چار افغانی

(ب) دس افغانی

(ج) بیس افغانی

(د) پانچ افغانی

37. مصنف نے کہا کہ انسانی عقل کے استعمال سے کیا ممکن ہے؟

(ا) دنیا میں سب کچھ حاصل کرنا

(ب) بغیر جائے ہوئے بھی سفر کا احوال جاننا

(ج) ہر کام آسان بنانا

(د) علم حاصل کرنا

38. کابل کے دریا کی حالت کو مصنف نے کس نالے سے تشبیہ دی؟

(ا) دریائے سندھ

(ب) کراچی کے گندے نالے

(ج) دریائے گنگا

(د) دریائے ہوانگ ہو

39. کابل میں کتابیں چھاپنے کے لیے کن سے اجازت لینا ضروری تھی؟

(ا) مقامی پبلشر

(ب) سرکاری مطبع اور حکومت

(ج) مذہبی ادارے

(د) بین الاقوامی پبلشر

40. کابل جانے کا اصل مقصد مصنف کا کیا تھا؟

(ا) تاریخی مقامات دیکھنا

(ب) کتابوں کے حوالے سے ملاقاتیں کرنا ✓

(ج) مقامی کھانے چکھنا

(د) گدھ خریدنا

❖ خلاصہ: ایک سفرنامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

یہ سفرنامہ ایک منفرد اور طنزیہ انداز میں لکھا گیا ہے، جس میں مصنف نے کابل اور پشاور کے سفر کے مشاہدات پیش کیے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کئی جگہیں وہ حقیقت میں نہیں گئے، مگر مصنف نے اپنی عقل، مشاہدہ اور تخیل کے ذریعے منظر کشی کر کے قاری کو وہاں لے جاتے ہیں۔ سفر کی ابتدا مشکلات سے ہوئی، صبح روانہ ہونے کے باوجود رات تک کابل نہیں پہنچ سکے۔ راولپنڈی اور پشاور میں تاخیر اور غیر یقینی صورتحال کے باوجود پائلٹ نے راستے کے دوران درہ خیبر اور جلال آباد کی جغرافیائی معلومات دیں، مگر موسم کی وجہ سے کابل کا ہوائی اڈہ چھپا ہوا تھا اور انہیں پشاور میں ہی رکنا پڑا۔

کابل کی شدید سردی کی پیشگی اطلاع مصنف کو ذہن میں رہتی تھی، اس لیے وہ اوور کوٹ، دستانے، فیلٹ اور دیگر گرم کپڑے لے کر تیار ہوئے۔ اوور کوٹ میں سے ایک آغا جعفری کا دیدہ زیب اور خوبصورت تھا، جبکہ دوسرا حبیب اللہ شہاب کا بھاری کوٹ تھا جو قطب شمالی کی سردیوں کے لیے موزوں لگتا تھا۔ ان کپڑوں کی وجہ سے مصنف بالکل برفانی ریچھ کی طرح نظر آ رہے تھے، اگرچہ رنگ میں فرق تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فیلٹ، لومڑی کی کھال کے دستانے اور کانگڑی بھی ساتھ لے گئے تاکہ سردی کے اثرات کم ہوں۔

پشاور میں ہوٹل کا تجربہ بھی دلچسپ اور مزاحیہ تھا۔ ہوٹل کشادہ تھا لیکن قالین اور فرش پر پاؤں رکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کیچڑ میں پڑی اینٹوں پر چل رہے ہوں۔ ہوٹل کے مالک سخت مزاج تھے اور سروس کی حالت معمولی تھی، مگر اس کے باوجود مقامی لوگوں کی مہمان نوازی اور تعاون نے مصنف کو متاثر کیا۔ پی آئی اے کے دفتر کی تلاش کے دوران مقامی لوگوں کی رہنمائی اور مدد بھی بیان کی گئی، جس میں طنز اور مزاح کا بھرپور استعمال ہوا۔

مصنف نے ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بیوی سے ملاقات کی، جو گرین لینڈ جا کر اسکیموؤں کے ساتھ رہے تھے اور اپنی زندگی کے تجربات سے دلچسپ قصے سناتے تھے۔ انہوں نے SAS (سکنڈے نیوین ایئر سروس) کے تعلقات اور دیگر ممالک کے تجربات بھی شیئر کیے۔ ان کے ساتھ مصنف کے تبادلہ خیال میں عالمی سفر اور ثقافت کی معلومات بھی شامل تھیں، جو سفرنامے کو مزید دلچسپ بناتی ہیں۔

کابل میں ریلوے کی غیر موجودگی، پبلشرز اور پرائیویٹ کتابوں کی کمی اور سرکاری مطبعوں کی محدود تعداد نے مصنف کو حیران کیا۔ شہر کے دریا، پانی کے وسائل، پرانے شہر کے گھروں میں پانی کی کمی اور سقوں کی موجودگی سے مصنف نے مقامی زندگی کے مشکلات اور محدود وسائل کو باریک بینی سے دکھایا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ تعامل میں زبان کی دقتیں اور افغانی گدھوں کی خرید و فروخت بھی مزاحیہ انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

اس سفر نامے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مزاح، طنز، ثقافتی مشاہدات، انسانی رویوں کی عکاسی اور سفر کی مشکلات کو ایک ساتھ بیان کرتا ہے۔ مصنف نہ صرف ایک شہر یا ملک کی تفصیل بیان کرتے ہیں بلکہ انسانی تجربات، ثقافت، رسم و رواج اور ماحولیات کی باریکیاں بھی دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں۔

سیاق و سباق اور تشریح

پیراگراف نمبر 1:

آج کا سفر نامہ ہے تو سفر نامہ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ کہاں کا ہے تو بتا بھی نہ سکیں۔ آج صبح ہم کابل کے لیے چلے تھے، لیکن رات ہوگئی ہے اور کابل پہنچے نہیں ہیں۔ پہلے راولپنڈی میں لیٹ ہوئے، پھر پشاور سے چلنے میں تعویق ہوئی۔ آخر چلے۔ پائلٹ نے بتایا کہ آپ کے نیچے اس وقت درہ خیبر ہے۔ پھر کہا، یہ دائیں طرف کو جلال آباد کا قصبہ ہے اور ٹیڑھی میڑھی جوئے کم آب دریائے کابل کہلاتا ہے۔ اب آپ حکومت افغانستان کے وہ فارم بھر دیجیے جن میں وطنیت قومیت وغیرہ لکھنی ہوتی ہے اور اب صاحبان! (پائلٹ نے کھنکار کر کہا) اب تھوڑی دیر میں ہم پشاور کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں کیونکہ کابل گھنگور بادلوں میں چھپا ہوا ہے۔ وہاں ہم اتر نہیں سکتے۔ امید ہے آپ کا سفر خوش گوار گزرا ہو گا۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف مصنف کے کابل جانے کے سفر کی ابتدائی روداد ہے۔ مصنف صبح کے وقت روانہ ہوئے لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر تاخیر ہوئی اور رات ہو گئی، جس کی وجہ سے وہ کابل پہنچ نہیں سکے۔ راولپنڈی اور پشاور میں تاخیر کے بعد سفر جاری رہا۔ پائلٹ کے ذریعے مصنف کو جغرافیائی معلومات فراہم کی گئیں، جیسے درہ خیبر، جلال آباد اور دریائے کابل۔ کابل پر گھنے بادلوں کی وجہ سے جہاز وہاں نہیں اتر سکا، اس لیے پشاور کے ہوائی اڈے پر اترنا پڑا۔

یہ پیراگراف سفر کی پیچیدگیوں اور غیر یقینی حالات کو واضح کرتا ہے اور ساتھ ہی قاری کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ سفر صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا عمل نہیں بلکہ اس کے ساتھ کئی تجربات اور مشاہدات جڑے ہوئے ہیں۔

تشریح:

اس عبارت میں مصنف نے سفر کی حقیقت کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ سفر آسان نہیں بلکہ مشکلات اور غیر یقینی صورتحال سے بھرا ہوا ہے۔ مصنف نے طنز اور مشاہداتی انداز اختیار کیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سفر کے دوران حالات ہمیشہ متوقع نہیں ہوتے۔

جغرافیائی مناظر شامل کرنے سے پڑھنے والا خود بھی درہ خیبر، جلال آباد اور دریائے کابل کے مناظر کا تصور کر سکتا ہے۔ پائلٹ کے مزاحیہ انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض حالات میں غیر متوقع رکاوٹیں آ سکتی ہیں، جیسے کابل کے بادلوں میں چھپ جانے کی وجہ سے پشاور پر اترنا۔

یہ پیراگراف یہ بھی واضح کرتا ہے کہ سفر میں صبر اور حالات کے مطابق فیصلے کرنا ضروری ہیں۔ مصنف کی تفصیلی اور مشاہداتی تحریر ہر منظر، رکاوٹ اور تجربے کو زندہ کر دیتی ہے، جس سے پڑھنے والے کو نہ صرف معلومات ملتی ہیں بلکہ سفر کا ماحول اور مشکلات بھی محسوس ہوتی ہیں۔

پیراگراف نمبر 2:

در اصل آثار شروع ہی سے ٹھیک نہیں تھے۔ جب سے کابل جانے کا سنا، لوگ ہمیں برابر ڈرا رہے تھے کہ سردی ہے، جانا نہیں، مر جاؤ گے۔ مولانا حامد علی خان نے کہا، میں کابل میں دو دو اوورکوٹ پہن کر بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ تن زیب کا انگر کھا پہنے ہوئے ہوں۔ حمید اختر نے نصیحت کی کہ جاتے ہی وہاں سے ڈھلانما افغانی کوٹ خرید لینا (ورنہ میں نتائج کا ذمہ دار نہ ہوں گا)۔ ان لوگوں کا ہم ذکر نہیں کرتے جو ہم سے جل کر طعنے تشنے پر اتر آئے تھے۔ ایک نے تو یہاں تک کہا کہ کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے جو تم وہاں جا رہے ہو؟ خیر، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف مصنف کے کابل جانے کے سفر کے ابتدائی حالات کی تیاری اور اس کے گرد کے لوگوں کی رائے کو بیان کرتا ہے۔ کابل کے بارے میں سن کر دیگر افراد نے مصنف کو خبردار کیا کہ وہاں سردی بہت شدید ہے اور وہاں جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ مصنف کے دوست اور مشیر، مولانا حامد علی خان اور حمید اختر، اس سفر کی تیاری کے لیے عملی نصیحتیں دیتے ہیں، جیسے اضافی اوورکوٹ پہننا یا وہاں افغانی کوٹ خریدنا۔ اس کے ساتھ ساتھ، کچھ لوگ حسد یا تنقید کی نیت سے مصنف کو تضحیک یا مزاق کا نشانہ بناتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص سفر کے بارے میں الگ نظریہ رکھتا ہے۔

یہ حصہ سفر کی تیاری کے دوران ذہنی اور عملی چیلنجز، جیسے شدید سردی اور ماحول کے تقاضے، کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔

تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ کابل جانے کا سفر نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی طور پر بھی مشکل تھا۔ لوگ مشورے اور تنبیہات دے کر مصنف کی فکر بڑھا رہے تھے، اور اس طرح سفر کی مشکل اور خطرناک نوعیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مولانا حامد علی خان کا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کابل کی سردی معمول سے کہیں زیادہ ہے، یہاں تک کہ دو اوورکوٹ پہن کر بھی وہ مکمل تحفظ محسوس نہیں کر پائے۔ حمید اختر کی نصیحت عملی رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ سفر کے لیے مخصوص لباس کی ضرورت ہے، جو قاری کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ ہر مقام کی مخصوص ضروریات ہوتی ہیں۔

ساتھ ہی، کچھ لوگوں کے طنز اور حسد کی باتیں اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں کہ ہر سفر کا تجربہ افراد کے نظریات اور جذبات سے متاثر ہوتا ہے۔ ایک شخص کا طنز، کہ کابل میں گدھے بھی ہوتے ہیں، مزاحیہ انداز میں خطرات اور لوگوں کی غیر سنجیدہ سوچ کو پیش کرتا ہے، لیکن آخر میں مصنف یہ تسلیم کرتا ہے کہ خطرات کے باوجود ہمت اور حوصلہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔

اس پیراگراف کے ذریعے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سفر صرف جسمانی حرکت نہیں بلکہ ذہنی تیاری، ماحول کی معلومات اور دیگر لوگوں کے تاثرات سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ مصنف نے سفر کے چیلنجز کو حقیقت پسندانہ اور مشاہداتی انداز میں بیان کیا ہے، تاکہ پڑھنے والے کو نہ صرف معلومات ملیں بلکہ سفر کی مشکلات اور اس کے تقاضوں کا بھی احساس ہو۔

ایک جونا مارکیٹ ہم شرما شرمی میں نہیں گئے، ورنہ کون سی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنے لیے کپڑے جمع نہیں کیے۔ ہمیں دراصل اوورکوٹ وغیرہ درکار تھے، اور کوئی ادنیٰ زیر جامہ مل جاتا تو سبحان اللہ، لیکن ہماری شہرت ایسی خراب ہوئی کہ لوگوں نے قیاس کیا کہ ہم شاید فلسطین کے مہاجروں یا افغانستان کے پائندوں کے لیے کپڑے جمع کر رہے ہیں۔ نتیجتاً سب نے اپنے پھٹے ہوئے، گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف مصنف کے کابل جانے سے قبل پشاور میں کپڑوں کی خریداری اور تیاریاں بیان کرتا ہے۔ مصنف نے اپنے سفر کے لیے اوورکوٹ اور دیگر ضروری لباس جمع کیے۔ تاہم، لوگوں نے ان کی نیت کو غلط انداز میں سمجھا اور قیاس کیا کہ مصنف کسی دوسرے کے لیے کپڑے اکٹھے کر رہے ہیں۔ اس پیراگراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی شہرت اور معاشرتی تاثر کیسے اس کے عمل کی تشریح کو متاثر کرتا ہے۔

تشریح:

اس عبارت میں مصنف نے اپنی تیاری کے عمل کو دلچسپ اور طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے جونا مارکیٹ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ہر ممکن جگہ گئے تاکہ اوورکوٹ اور ضروری لباس حاصل کیا جا سکے۔ تاہم، لوگوں نے ان کے کام کو غلط سمجھا اور قیاس کیا کہ وہ غریب یا مہاجرین کے لیے کپڑے جمع کر رہے ہیں۔

یہ پیراگراف انسانی رویوں اور معاشرتی نظریات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ لوگ کبھی کبھار کسی کی نیت کو صحیح طرح نہیں سمجھ پاتے اور اپنی سوچ کے مطابق اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مصنف کو طنزیہ انداز میں یہ صورتحال بیان کرنے کا موقع ملا کہ کس طرح لوگ فرضی مفروضے بنا لیتے ہیں۔

آخر میں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سفر کی تیاری صرف جسمانی یا عملی نہیں بلکہ معاشرتی تاثر اور لوگوں کی رائے سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ مصنف نے اس واقعے کو مزاحیہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا، تاکہ پڑھنے والے کو اس صورتحال کی دلچسپی اور طنز بھی محسوس ہو۔

پیراگراف نمبر 4:

اس سارے ساز و سامان سے لیس ہو کر دم تحریر ہم پشاور میں پڑے ہیں۔ یہ ڈین ہوٹل کا کمرہ ۴۷ ہے۔ آتش دان میں آگ دہک رہی ہے۔ جس طرح ہمارے گاؤں کے فتح دین درزی نے کراچی میں ایف۔ ڈین اینڈ سنز ٹیلرز اینڈ اوٹ فٹرز کے نام سے اپنی دکان لگائی اور چپکائی ہے، اس سے ہم سمجھتے تھے کہ ڈین ہوٹل بھی کس احمد دین یا نور دین کا ہوگا، لیکن ہوٹل کا نقشہ بتاتا ہے کہ یہ واقعی کسی انگریز بہادر کی ملکیت رہا ہے۔ لان کشادہ، احاطہ کشادہ، کمرے کشادہ، ہر چیز کشادہ ہے سوائے مالک کے دل کے، کیوں کہ ہمارے کمرے میں بجائے قالینوں کے ان کی کتر پڑی ہیں۔ ٹھنڈے کمرے کے فرش پر ان پر پاؤں رکھتے ہوئے یوں گزرنا پڑتا ہے جیسے کیچڑ میں پڑی ہوئی اینٹوں پر بچتے بچاتے قدم رکھتے ہوئے چلنا پڑے۔ لاؤنج کے قالین بھی گھسے پھٹے ہیں اور عظمت رفتہ کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف مصنف کے پشاور میں قیام کے تجربے کو بیان کرتا ہے۔ مصنف ہوٹل میں آرام کرنے کے لیے پہنچا ہے لیکن ہوٹل کی حالت توقع کے مطابق نہیں ہے۔ ہوٹل کی کشادگی، فرنیچر اور احاطہ تو کشادہ ہیں، لیکن کمرے میں قالین اور دیگر سہولیات خراب ہیں، جس سے مصنف کو سفر کی تکالیف اور محدود سہولت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف نے ہوٹل کے مالک کی تاریخی پس منظر بھی بیان کیا ہے، اور اسے مقامی ثقافت اور تجربات کے ساتھ جوڑا ہے، جیسے فتح دین درزی کی مثال۔

تشریح:

اس عبارت میں مصنف نے ہوٹل کے حالات کو نہایت مشاہداتی اور طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ہوٹل کی کشادگی اور وسیع احاطہ دیکھ کر ابتدائی طور پر یہ لگتا ہے کہ سب کچھ شاندار ہوگا، لیکن حقیقت میں فرش، قالین اور دیگر سہولیات خراب ہیں۔ مصنف نے یہ تضاد بیان کر کے پڑھے جانے والے کو طنز اور حقیقت کے درمیان فرق کا احساس دلایا ہے۔

فتح دین درزی کی مثال استعمال کر کے مصنف نے ایک ثقافتی اور مقامی پس منظر بھی دیا ہے، جس سے پڑھنے والا ہوٹل کے نام اور اس کی ملکیت کے تاریخی پہلو کو سمجھ سکتا ہے۔ فرش پر چلنے کی مثال کے ذریعے مصنف نے صورتحال کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا، جس سے ہوٹل کی خراب حالت اور ٹھنڈک کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

لاؤنج اور قالینوں کے بارے میں بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہوٹل میں ماضی کی عظمت کے آثار باقی ہیں، لیکن موجودہ حالت نے ان کی عظمت کم کر دی ہے۔ یہ پیراگراف نہ صرف سفر کی مشکلات بلکہ مصنف کے مشاہداتی انداز اور طنزیہ تحریر کی مہارت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

ڈاکٹر گلبرگ مہم جو آدمی ہیں۔ برسوں وہ گرین لینڈ جا کر اسکیموؤں کے ساتھ رہے۔ ان کی زبان اور معاشرت اختیار کی۔ انہی کا سا بے نمک کھانا کھاتے رہے۔ یہی مچھلی، ریچھ کا گوشت وغیرہ برف کے جھونپڑوں میں قیام کیا اور پھر یہ کتاب لکھی۔ اب میاں بی بی ایشیا اور مشرق بعید کے دورے پر نکلے تھے۔ کینیا، ہندوستان، تھائی لینڈ اور نیپال ہوتے ہوئے پاکستان آئے تھے۔ اب کابل اور تہران ہو کر وطن واپسی کا پروگرام تھا۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف مصنف کے سفرنامے میں ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی اہلیہ کے عالمی سفر کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر گلبرگ ایک تجربہ کار اور مہم جو شخص ہیں جنہوں نے گرین لینڈ میں اسکیموؤں کے ساتھ زندگی گزار کر ان کی زبان، کھانے اور معاشرت اختیار کی۔ ان کے اس تجربے نے انہیں ایک کتاب لکھنے کے قابل بنایا۔ اب یہ میاں بی بی ایشیا اور مشرق بعید کے دورے پر نکلے ہوئے ہیں اور مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے پاکستان پہنچے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا سفر وسیع، دلچسپ اور تحقیقی نوعیت کا ہے۔

تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے ڈاکٹر گلبرگ کی مہم جوئی اور تحقیقی صلاحیت کو اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر گلبرگ نے گرین لینڈ میں مقامی لوگوں کے ساتھ رہ کر ان کے طرز زندگی اور کھانے پینے کے طریقے اختیار کیے، جو کہ ایک تحقیقی اور عملی تجربہ ہے۔ یہ بیان قاری کو یہ دکھاتا ہے کہ کس طرح ایک شخص کسی غیر ملکی ثقافت میں غرق ہو کر اس پر تحقیق کر سکتا ہے اور تجربات کو کتاب کی شکل دے سکتا ہے۔

مزید برآں، ان کا ایشیا اور مشرق بعید کا دورہ، اور مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے پاکستان آنا، ان کے عالمی سفر کی وسعت اور ان کے تحقیقی اور ثقافتی شوق کو واضح کرتا ہے۔ پیراگراف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مہم جوئی اور عالمی تجربات سے حاصل شدہ معلومات کو لوگ کتاب کی صورت میں دوسروں تک پہنچاتے ہیں، اور اسی کے ذریعے علم و تجربہ کا تبادلہ ممکن ہوتا ہے۔

یہ پیراگراف قاری کو ڈاکٹر گلبرگ کی مہم جوئی، ان کے عالمی سفر اور تحقیقی کام کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے، اور یہ بھی بتاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ کتابت اور علم کے لیے کس حد تک مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

■ پیراگراف نمبر 6:

پبلشروں کی حد تک تو ٹھیک ہے کہ افغانستان میں اس نام کی کوئی مخلوق نہیں۔ حکومت کے محکمے اور ادارے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں۔ ان کی بھی مکمل تعداد پورے ملک میں پانچ ہے۔ پرائیویٹ پریس کوئی نہیں ہے، اول تو ان حالات میں کوئی شخص کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں کرتا اگر کوئی مرزا غالب یا فیض احمد فیض پیدا ہو بھی جائے تو از راہ قانون اسے حکومت کو عرضی دینی چاہیے کہ بندے کی یہ تالیف زیور طبع سے آراستہ کی جائے۔ وہ ٹھوک بجا کر (کسی کام میں جلدی نہیں کی جاتی) دیکھیں گے کہ ہاں کوئی مضائقہ نہیں تو حکم ملے گا کہ لطیف زیور اچھا چھاپے دیتے ہیں۔ کاغذ، کتابت، طباعت کے پیسے لاؤ اور جب چھاپے جائیں تو جہاں جی چاہے، جیسے جی چاہے بیچو۔

سیاق و سباق (Context):

یہ عبارت مصنف کے کابل کے سفر نامے میں اشاعت اور مطبوعات کے نظام کو بیان کرنے کے دوران پیش کی گئی ہے۔ اس سے پہلے مصنف نے کابل کے سفر اور وہاں کے حالات پر روشنی ڈالی تھی، اور اب وہ قاری کو بتاتے ہیں کہ افغانستان میں کتب کے چھپنے کا ماحول کس طرح محدود اور مشکل ہے۔ مصنف یہ بتا رہا ہے کہ وہاں پبلشر یا پرائیویٹ پریس تقریباً موجود نہیں، اور کتاب شائع کرنے کے لیے ہر کسی کو سرکاری اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ پیراگراف افغانستان کی تعلیمی، ادبی اور ثقافتی حدود کو سمجھنے کے لیے اہم ہے، کیونکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہاں کے لوگ علم و ادب کی تخلیق اور اشاعت کے لیے کس حد تک سرکاری پابندیوں کے تابع ہیں۔

تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف افغانستان میں کتابت اور مطبوعات کے محدود نظام کو طنزیہ اور وضاحتی انداز میں بیان کرتا ہے۔ مصنف واضح کرتا ہے کہ وہاں نجی پبلشر یا پرائیویٹ پریس نہیں ہے اور کتاب چھپانے کے لیے حکومت کی اجازت لازمی ہے۔ خواہ کوئی مشہور شاعر یا ادیب پیدا ہو، اسے بھی اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ مصنف اس عمل کو آہستگی اور رسمی کارروائی کے ساتھ پیش کرتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ کتاب چھپوانے کے اخراجات مصنف پر خود ہی آتے ہیں۔ اس پیراگراف سے قاری کو یہ سمجھ آتا ہے کہ افغانستان میں علم و ادب کی ترقی سرکاری پابندیوں اور محدود وسائل کی وجہ سے مشکل ہے، اور اس طرح کے حالات میں لکھنے اور شائع کرنے والوں کی ہمت اور استقامت کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

پیراگراف نمبر 7:

ریلوے کی کہانی یہ معلوم ہوئی کہ شاہ امان اللہ خان نے اپنے زمانے میں دارالامان نام کی تازہ بستی بسائی تھی۔ وہاں تک ریلوے لائن... ریلوے لائن نہ کہنے والی لائن بچھائی تھی۔ بچہ مقالے نے ان کا تاج و تخت چھینا تو پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ فرنگیوں کی بدعت قرار دے کر اکھاڑ پھینکا۔ ہم نے دارالامان میں اس کے اکھڑے ہوئے زنگ خوردہ سلیپر اور دو تین ٹوٹی پھوٹی بوگیاں آثار الصنادید کے طور پر ایک جھونپڑے کے سامنے کھڑی پائیں جو ایک زمانہ میں ریلوے اسٹیشن تھا۔

سیاق و سباق (Context):

یہ پیراگراف کابل کے سفرنامے میں افغانستان کے ترقیاتی اور تاریخی پس منظر کو بیان کرنے کے دوران آیا ہے۔ مصنف یہاں شاہ امان اللہ خان کے دورِ حکومت میں دارالامان کی جدید تعمیرات، خاص طور پر ریلوے لائن کے منصوبے پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے ساتھ مصنف یہ بھی بتاتا ہے کہ بعد میں آنے والی حکومتوں نے ان ترقیاتی منصوبوں کو ختم یا توڑ دیا۔ اس عبارت کا مقصد قاری کو یہ سمجھانا ہے کہ افغانستان میں جدید ترقیاتی منصوبے وقتی طور پر قائم ہوئے لیکن استحکام نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے۔ مصنف نے ریلوے کی باقیات کو تاریخی آثار کی طرح بیان کر کے قاری کو ماضی اور حال کے درمیان تضاد دکھایا ہے۔

تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے افغانستان میں ترقیاتی اقدامات اور ان کی ناپائیداری کو بیان کیا ہے۔ شاہ امان اللہ خان نے دارالامان میں ریلوے لائن بچھا کر جدید سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی، لیکن بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اس منصوبے کو فرنگیوں کی بدعت قرار دے کر ختم کر دیا۔ مصنف بتاتا ہے کہ آج وہاں صرف زنگ خوردہ سلیپر اور ٹوٹی پھوٹی بوگیاں رہ گئی ہیں جو ایک زمانے میں ریلوے اسٹیشن کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ بیان تاریخی تضاد اور ماضی کی عظمت کے زوال کو واضح کرتا ہے۔ قاری یہاں یہ سمجھ سکتا ہے کہ افغانستان میں جدید ترقیاتی اقدامات وقتی کامیاب ہوئے لیکن سیاسی اور سماجی حالات نے انہیں برقرار نہیں رہنے دیا۔ اس سے قاری کو ملک کی تاریخ، حکومتوں کے فیصلوں اور ترقیاتی منصوبوں کی اہمیت اور شکنجگی کا شعور حاصل ہوتا ہے۔

Note:

This chapter is designed to provide a solid foundation of knowledge, with the goal of deepening understanding and encouraging further exploration of the subject. The content has been carefully selected to support effective learning and inspire students to engage with the topic more deeply.

Author: Muhammad Asghar

Purpose: To contribute to education by offering insightful, valuable content that enhances learning and understanding.

Copyright & Usage Policy

© 2026 Muhammad Asghar. All rights reserved.

No part of these notes may be reproduced, redistributed, or used for commercial purposes without explicit written permission from the author. These notes are intended solely for personal study and educational use.